Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 3 (January-March 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

A Sociological Review of the Fictions of Dr. Younis Javed

ڈاکٹر یونس جاوید کے افسانوں کا سماجیاتی جائزہ

Muhammad Idrees
PhD Scholar (Urdu), NCBA&E, Sub Campus, Multan
studystudents143@gmail.com

Muhammad Zaryab Khan
MPhil (Urdu), Institute of Southern Punjab, Multan
zaryabkhanbhutta@gmail.com

Muhammad Asif Ata
MPhil (Urdu), Institute of Southern Punjab, Multan
asifhallians@gmail.com

Abstract

Younis Javed, a renowned Pakistani fiction writer, is celebrated for his profound exploration of societal issues within his dramas, novels, and short stories. From an early age, he delved into the complexities of social life, employing a critical lens to dissect post-colonial challenges. His works meticulously scrutinize prevalent issues such as corruption, injustice, political instability, the VIP system, martial law, and Pakistan's economic crises. With a keen eye for detail, Javed offers a balanced perspective on these issues, striving to unravel and address the deep-seated social ills plaguing his society. Through his writings, he endeavors to shed light on the intricacies of modern life while advocating for social reform and highlighting the urgent need for change. Javed's unique ability to depict social behaviors with nuance and empathy

CC BY

underscores his significance as a voice for societal transformation in Pakistan.

Keywords: Younis Javed, Short Stories, Social Problems, Nijat, Aik Basti Ki Kahani, Creative, Progressive

ڈاکٹر یونس جاوید اردو ادب کا وہ روشن ستارہ ہے جو گزشتہ چھے دہائیوں سے اپنی گراں قدر خدمات کی بدولت مسلسل جگمگا رہا ہے۔ یونس جاوید 23 اکتوبر 1944ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ علمی و ادبی گھرانے کے چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے ادب سے لگاؤ انہیں ورثے میں ملا۔ محض اٹھارہ برس کی عمر میں اپنا پہلا ناول "آخرِ شب" لکھا جو 1962ء میں ادارہ نو لاہور سے شائع ہوا۔ اس سے قبل "ادبِ لطیف" میں ان کی ایک کہانی "شمع" کے عنوان سے شائع ہو چکی تھی۔ انہوں نے مرزا ادیب کے زیرِ سایہ بطور معاون ایڈیٹر "ادبِ لطیف" سے صحافتی زندگی کا آغاز کیا اور پھر "مجلس ترقی ادب، لاہور" سے بطور ایڈیٹر اور محقق منسلک ہو گئے۔ مجلس ترقی ادب کے تحقیقی و تنقیدی جریدہ "صحیفہ" کے ایڈیٹر کے طور پر 65-1964ء میں اپنی خدمات کا آغاز کیا اور 2004ء میں بطور ڈائریکٹر "مجلس ترقی ادب، لاہور" ریٹائرڈ ہوئے۔ ادبی رسالہ کے شمارہ نمبر 67 سے 182 تک ایڈٹ کیے۔ اس دوران آپ نے مجلس ترقی ادب لاہور میں بطور "ایڈیٹر آف بکس" بھی خدمات سر انجام دیں۔ "حلقہ اربابِ ذوق" پر آپ کی لکھی ہوئی کتاب "حلقہ اربابِ ذوق" کو اس حلقہ پر سب سے مستند تحقیق مانا جاتا ہے۔ 2000ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے اسی کارنامے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ عہد ساز کلاسیکی شاعر شیخ امام بخش ناسخ کے کلیات کی از سر نو تدوین کی۔ حلقہ اربابِ ذوق سے 1966ء میں وابستہ ہوئے اور 76-1974ء اس کے سیکرٹری رہے۔ پہلا افسانوی مجموعہ "تیز ہوا کا شور" 1968ء میں شائع ہوا۔ دوسرے افسانوی مجموعوں میں "آوازیں"، "رباسچیا" اور "میں ایک زندہ عورت ہوں" شامل ہیں جو ان کے افسانوی کلیات "پل صراط کے بعد" میں یکجا کر دیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر یونس جاوید نے 1972ء میں اپنے افسانے "دوسری کہانی" کی ڈرامائی تشکیل کی جو پی ٹی وی کی ڈرامہ سیریز "دوسری کہانی" میں چلائی گئی۔ پی ٹی وی کراچی مرکز کے لیے 1972ء میں ہی "سیدھا راستہ" ڈرامہ لکھا جو ان کا پہلا ڈرامہ ہے۔ اس کے بعد سرمد صہبائی کی فرمائش پر اپنا پہلا پنجابی ڈرامہ 'اگ تے نروان' کے نام سے لکھا جو تیس اقساط پر مشتمل تھا اور 1973ء میں پی ٹی وی سے نشر ہوا۔ اس کے بعد کئی ایک پنجابی ڈرامے لکھے۔ منو بھائی کے ساتھ مل کر پہلی ڈرامہ سیریل "کیہ جاناں میں کون" لکھی جو 39 اقساط پر مشتمل تھی۔ 1981ء میں محمد نثار حسین نے سپیشل پروڈکشن شروع کی تو یونس جاوید نے ان کے لیے ڈرامہ لکھنے کا آغاز کیا۔ اس سلسلے کا پہلا ڈرامہ "کانچ کا پل" پی ٹی وی پر چلا جس نے بے پناہ مقبولیت حاصل کی اور کئی ایک ایوارڈ جیتے۔ اس کے بعد "دھوپ دیوار"، "وادیٔ پُرخار"، "سانولی دھوپ"، "پھولوں والا راستہ"، "رگوں میں اندھیرا" اور "اندھیرا اُجالا" لکھا۔ "اندھیرا اُجالا" اتنا سپرہٹ ہوا کہ اسے دو سال تک جاری رکھنا پڑا۔ "پت جھڑ"، "رنجش"، "خواب عذاب"،

"کانٹے" سمیت بے شمار ڈرامے لکھے جن کی تعداد ساڑھے چار سو ہے۔ یونس جاوید نے تین فلمیں بھی لکھیں جو کافی کامیاب رہیں۔ پہلی اردو فلم "بے نظیر" لکھی۔ دوسری فلم پنجابی زبان میں "جوڑا" اور تیسری فلم اردو زبان میں "ڈائریکٹ حوالدار" لکھی۔ یہ تینوں فلمیں کافی کامیاب رہیں لیکن "ڈائریکٹ حوالدار" جو 1965ء میں لکھی گئی عرفان کھوسٹ کی سپرہٹ اداکاری نے اس فلم کی مقبولیت میں اہم کردار ادا کیا۔ یونس جاوید نے مجموعی طور پر تین ناول لکھے جو "آخرِ شب" (1962ء)، "کنجری کا پل" (2011ء) اور "ستونت سنگھ کا کالا دن" (2014ء) کے نام سے شائع ہوئے۔

ڈاکٹر یونس جاوید نے تصوف پر ایک کتاب "بہاؤالدین زکریا" لکھی جس میں حضرت بہاؤالدین زکریا سے عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اصول تدوین پر ایک کتاب "تدوین" لکھی اور اپنی نظموں کا مجموعہ "کالر پہ نیا پھول" بھی شائع کروایا۔ خاکوں کی دو کتابیں "ایک چہرہ یہ بھی ہے" اور "ذکر اس پری وش کا" شائع کروائیں۔

ڈاکٹر یونس جاوید نے مجلس ترقی ادب لاہور سے 2004ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد "رکن مطالعہ بورڈ، جی سی یونیورسٹی لاہور" اور وزیٹنگ پروفیسر برائے شعبہ فلم اور ٹی وی لاہور (جون 2005ء تا جون 2008ء) خدمات انجام دی ہیں۔ یونس جاوید اپنی ادبی خدمات کے صلے میں بے شمار قومی سطح کے اعزازات حاصل کر چکے ہیں اور عالمگیر شہرت حاصل کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر یونس جاوید نے تقریباً ہر صنف ادب مثلاً شاعری، ڈرامہ، خاکہ نگاری، ادبی رسالہ نگاری، ناول، تحقیق و تنقید سمیت دیگر کئی اصناف ادب میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ آپ کا سب سے پہلا افسانوی مجموعہ "تیز ہوا کا شور" شائع ہوا اور اس کے بعد اب تک تین مزید افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن کے نام "میں ایک زندہ عورت ہوں"، "آوازیں" اور "آخر جینا بھی تو ہے" شامل ہیں۔

افسانوی مجموعہ "میں ایک زندہ عورت ہوں" میں شامل افسانوں کا مختصر تعارف:

اس افسانوی مجموعہ میں مندرجہ ذیل افسانے شامل ہیں:

1۔ محبت اس کو کہتے ہیں
2۔ یہی عورت ہے
3۔ ربا سچیا
4۔ زوال
5۔ عورت بھی کیا شے ہے
6۔ بے مہر بشارتیں
7۔ ڈیوٹی از ڈیوٹی

ان افسانوں میں سماجی زندگی کے تلخ مگر حقیقی واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ یونس جاوید بیانیہ انداز کرتے ہیں ان افسانوں کے پلاٹ اتنے مربوط اور واقعات اتنے مربوط ہوتے ہیں کہ قاری کسی کہانی کو مکمل پڑھے بغیر تحریر سے نظر اٹھانے کی سکت پیدا نہیں کر سکتا۔ یونس جاوید کو کہانی کہنے کا گُر آتا ہے اور ان کہانیوں سے ہمارے معاشرے کی سچائیاں پھٹ پھٹ کر باہر آتی ہیں۔

CC BY

غلام حسین ساجد نے اپنے ایک مضمون میں ''میں ایک زندہ عورت ہوں'' کی کہانیوں پر تجزیہ پیش کرتے ہوئے لکھا تھا:

> ''میں ایک زندہ عورت ہوں'' کی کہانیاں صرف رسمی حقیقت نگاری نہیں ہیں۔ تلخ وترش حقائق کا مرقع ہیں اور ان میں دکھائی دینے والا معاشرہ ہمارے اندر اور باہر دوسمت میں پھیلتا ہوا ہماری سچائی، ہمارے شعور اور ہماری سادگی کو ہڑپ کر لینے کی فکر میں ہے۔''(1)

یونس جاوید ایک ایسے سماجی حقیقت نگار ہیں کہ ان کی کہانیاں پڑھ لیں یا اپنے محلے اپنے گاؤں یا اپنے شہر کے چند جان پہچان والے افراد سے ہمت کر کے ان کے گھروں کی اندرونی صورتحال کا حال واحوال کر لیں معاشرے کی اندر کی صورتحال اور یونس جاوید کی کہانیوں میں تلخ حقائق کیمیکساں اور کرب ناک صورتحال ایک برابر نظر آئے گی۔ یونس جاوید ایک انسان دوست شخصیت ہونے، محبِ وطن پاکستانی ہونے اور اس سماجی بکھراؤ کی صورتحال کا عینی شاہد ہونے کی بناء پر ان کہانیوں میں اس دکھ اور کرب کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں جو کہ بطور ادیب وہ محسوس کرتے ہیں۔ وہ اس صورتحال کی اصطلاح چاہتے ہیں اپنے ملک اپنے وطن کے مستقبل کیلئے فکر مند ہیں۔ خصوصاً خواتین کی زندگی جس طرح مسلسل عذاب ناک صورتحال کا شکار ہے اس کو اجاگر کرتے ہیں تاکہ ان مسائل کے گرداب سے نکلنے کی کوئی صورت معاشرتی طور پر نکل سکے جس میں معاشرہ کا طبقہ نسواں اب گھرا ہوا ہے۔ اس ضمن میں غلام حسین ساجد کا تجزیہ بالکل درست ہے کہ:

> ''میں ایک زندہ عورت ہوں'' انسانی رشتوں کی پامالی، بے حرمتی اور بے معنی ہوتے چلے جانے کی کہانی ہے۔ کہیں اس بے حرمتی اور پامالی کا ذمہ دار مرد ہے تو کہیں عورت اور اس سے بھی بڑھ کر خود بیمار معاشرت جو نفس اور پیٹ کی بڑھتی ہوئی بھوک اور نایاب ہوتی ہوئی قناعت کا ثمر ہے۔ محبت ایک عام جذبہ ہے مگر اس کتاب میں یہ جذبہ ایک نایاب جنس کی حیثیت رکھتا ہے۔''(2)

ان افسانوں میں انسانی ہوس، لالچ اور جنسی لذت کی حد سے بڑھتی ہوئی خواہشات عدم اطمینان اور حصول دولت کے لیے جائز وناجائز کی تمیز کا فقدان معاشرے کی تباہی کا منظر پیش کر رہا ہے۔ افسانہ ''پس دیوار زنداں'' میں ایک عورت کے جنسی ہیجان اور اس پہچان کے نتیجے میں اپنے ایک رشتہ کے بھتیجے سے جنسی آسودگی کی کوشش کا بیانیہ ہے جو مسز جواد یعنی اس عورت کی نوسال کی بیٹی کے الفاظ کی صورت قاری تک پہنچتا ہے۔ وہ اپنی ماں کے اس ہیجان انگیز لمحوں کو نیم خواب آنکھوں سے دیکھتی اور پھر اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہے:

CC BY

"مسز جواد جس لذت کی گہرائیوں میں ڈوبتی ابھرتی تھی۔۔۔اس نے اسے ہوش سے بہت پرے پھینک دیا تھا۔ پھر بھی میں اعلانیہ آنکھیں نہیں کھول سکتی تھی۔ میں اس راز میں شریک نہیں ہونا چاہتی تھی کہ جاگتے رہنے اور سب کچھ سمجھنے کا شبہ مجھے لمحہ قتل گاہ میں رکھتا۔"(3)

یہ بچی نو سال میں نوجوان تھی اب اس نے لاشعوری طور پر جو دیکھا، محسوس کیا او جس تجربے سے گزری اس نے اسے اتنے عمر میں جوان کر دیا تھا وہ خود اب بہزاد کے looks پر نظر دوڑاتی اور حرارت محسوس کرتی تھی۔ اس کیفیت میں اسے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ پھر اس بچی نے محض دس برس کی عمر میں کھلی آنکھوں سے سارا منظر دیکھ لیا۔ لیکنیونس جاوید اس ساری منظر کشی اور عورت کے اس جنسی ہیجان کو مراسم کو پورا کرنے کے حق یا فطری تقاضوں پر مبنی رویے قرار دیتے ہیں۔

افسانہ "رسائی نہ رسائی" ایک بیوہ عورت کی کہانی ہے۔ معاشرے میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس عورت سے بیوہ ہونے کے ناطے سے ہمدردی رکھتے ہیں اور اس کا خیال رکھتے ہیں اس سے ہمدردی کا ایک چھپا ہوا عنصر یعنی لالچ، ذاتی مفاد اور ہوس جب سامنے آتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت شاید صدیوں کی پرانی کوئی کہانی تھی جو اب ہمارے معاشرے میں حقیقی طور پر ناپید ہے اب بس محض اس کا سایہ ظاہر ہوتا ہے وہ بھی رات کی صورت میں۔ "سبز آنکھوں والی لڑکی" ایک ایسا افسانہ ہے جس میں ایک اپاہج لڑکی سے ایک خوبرو نوجوان محض اس لیے راضی ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ شادی سے دولت ہاتھ آنے کا امکان ہے۔ ہمارے اخلاقی اقدار کے مستقبل پر سوالی نشان چھوڑ جاتا ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید نے "میں ایک زندہ عورت ہوں" کی کہانیوں میں یونس جاوید کے فکری احساسات کا تجزیہ کرتے ہوئے نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ:

"یونس جاوید نے اپنے افسانوی مجموعہ "میں ایک زندہ عورت ہوں" کے افسانوں میں جدید صنعتی معاشرے کے کاروباری اور اخلاقی منظر نامے کو عورتوں کے مختلف النوع کرداروں کے وسیلے سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا۔ انہوں نے نئے معاشرے میں موجود عورت اور اس کی نفسیاتی کیفیاتکو اس کی مجبوریوں اور ناآسودگیوں کے پس منظر میں اجاگر کیا ہے۔"(4)

ڈاکٹر سعادت کا یہ نقطہ نظر بالکل حقیقت پر مبنی ہے کیوں کہ کوئی فرد اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لیے کچھ کر سکتا ہے اور اس مرد حاکمیت کے سماج میں عورت اور مرد کی جنس سے وابستگی کی صورتحال ویسے ہی ہے جیسے ان کہانیوں میں پیش کی گئی ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو اکثر کام کے دوران اور سماجی زندگی میں غلط نگاہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کے معاشرتی اعمال پر مختلف رد عمل بھی دیکھنے کو ملتا ہے جو بعض اوقات حیران کن ہوتا ہے۔

CC BY

افسانوی مجموعہ "تیز ہوا کا شور" میں شامل افسانوں کا مختصر جائزہ:

"تیز ہوا کا شور" یونس جاوید کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جو کہ 1967 میں شائع ہوا اس کے زیادہ تر افسانے ادبی رسالہ "ادب لطیف" میں پہلے ہی شائع ہو چکے تھے۔ اس افسانوی مجموعہ میں مندرذیل قابل ذکر افسانے شامل ہیں:

(i) اس رات کا درد (ii) نروان

(iii) رات کی اونچی فصیل (iv) سیدھا راستہ

(v) دوسری کہانی (vi) اناج کی خوشبو

(vii) نجات (viii) برش اور تلوا

(ix) نفرت کی دیوار (x) نئے پرانے

(xi) پامسٹ (xii) دھرتی کے گھاؤ

یونس جاوید نے اپنے افسانوں میں بہت سے موضوعات پیش کیے ہیں۔ لیکن نچلے اور درمیانے طبقے کی زندگی کا خاص موضوع رہا ہے۔ چاہے شہر کی زندگی ہو یا دیہات کی۔ متوسط اور درمیانے طبقے کے افراد جہاں بھی رہتے ہوں ان کی زندگی میں ایک عنصر مشترک ہوتا ہے وہ ہے زندگی کی آشائشات کے حصول کی کسک زندگی کے جبر کے سامنے باندھنے کی کوشش یں یہ لوگ ساری زندگی خوشحالی اور سکون کا خواب آنکھوں میں لیے گزر جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے دکھ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ یونس جاوید واقعی ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جنہیں نظر بازی کی فکر نہیں نہ ہی وہ تہذیب کے نئے مصنوعی رکھ رکھاؤ سے مرعوب ہوتے ہیں وہ سیدھے اور سادھے انداز میں کامیابی سے سماجی حقیقتوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی بات کو سجاد باقر رضوی محسوس کرتے ہیں تو اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "یونس جاوید نظریہ باز نہیں ہیں معاشرتی زندگی کے چھوٹے موٹے دکھ سکھ محبتیں اور نفرتیں اور اسی قسم کے دیگر مثبت و منفی اقدار انسانی حوالوں اور ٹھوس مثالوں کے ذریعے فن کے جامے میں آکر یونس جاوید کے افسانے بن جاتی ہیں۔"(5)

یونس جاوید کا اگر کوئی نظریہ ہے تو وہ ہے صرف اور صرف انسانی وقار، انسانی کام ہر روپ چاہے مرد کی شکل میں ہو یا عورت کی شکل یں یونس جاوید کے ہاں انسان ہر روپ میں باوقار نظر آتا ہے۔ یونسجاوید کے افسانوں کی تکنیک میں جو تنوع ملتا ہے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے سجاد باقر رضوی لکھتے ہیں:

CC BY

"یونس جاوید کے افسانوں کی ایک مثبت قدر یہ ہے کہ ان میں تکنیک کے پیچھے
بھاگ دوڑ نظر نہیں آتی۔ نئے نئے اسلوب اور نئے نئے پیرایہ بیان کی خواہش
نہیں ملتی وہ اپنے گاڑھے اور کھدر سے خوش ہیں۔"(6)

یونس جاوید اپنے افسانوں میں توانا اور جان دار زندگی کو اپنے سیدھے سادھے رواں دواں پیرایہ میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں بھیی یونس جاوید اپنے اس انداز سے انحراف کرتے ہوئے پروفیسر اور دانش ور بننے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ بے جان معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ایسا ان کے ہاں بہت کم کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس افسانوی مجموعہ میں شامل افسانوں میں سے صرف ایک دو افسانوں کو چھوڑ کر باقی تمام افسانوں میں زندہ موضوعات، زندہ اسلوب کے باعث زندگی کی گہما گہمی کو پیش کرتے ہیں۔ اور اچھے فن کی اس بنیادی شرط کو پورا کرتے ہیں کہ فن کار خود سے اپنے تجربوں اور اپنے جذبہ واحساس سے سچ بولے ان افسانوں کو پڑھ کر قاری خود کو اسی فضا میں سانس لیتا محسوس کرتا ہے جس فضا میں یہ افسانے تخلیق کیے گئے ہیں۔ موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے یونس جاوید حقیقت پسند ہیں۔ پھر بھی ان کی حقیقت پسندی بندھے ٹکے منصوبے کے تابع نہیں ہے۔ اس افسانوی مجموعہ کی پہلی کہانی "اس رات کا درد" مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی کے درمیان کھینچی گئی دیوار برلن کی کہانی ہے۔ اس کہانی میں یونس جاوید نے ہزاروں میل دور بیٹھ کر جرمن عوام کے دکھ درد اور ان تکالیف کی ٹھوس اور حقیقی تصویر کشی کی ہے جو اس دیوار کے نتیجے میں جرمن عوام کو اٹھانے پڑے۔ اس سے یونس جاوید کی imagination یعنی تصوراتی قوت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس دیوار کے سمت ولیم اور اس کی محبوبہ ماریانہ کھڑے ہیں اور دوسری جانب ولیم کی ماں، اس کا چچا، اور اس کا دوست اس عورت کے دکھ کی کہانی جو اس دیوار کے نتیجے میں اپنے لخت جگر سے محض ایک دیوار کے فاصلے پر کھڑی ہے ایک کرب ناک اور جذباتی صورتحال پیدا کر دیتی ہے۔ کہانی کا اختتامیہ جرمنی کے نوزائیدہ دونوں ملکوں میں چھپنے والی اس خبر کے ساتھ ہوتا ہے مشرقی برلن میں:

"رات کے اندھیرے میں مغربی برلن کا ایک جاسوس گرفتار۔"(7)

اور مغربی برلن میں:

"ایک بوڑھیا نے اپنے اندھے دیور کے فلیٹ کی کھڑکی سے مغربی برلن میں
چھلانگ لگا کر آمریت کے خلاف اور جمہوریت کے حق میں اہم پارٹ ادا
کیا۔"(8)

اس طرح یونس جاوید نے لاشعوری طور پر پاکستان اور ہندوستان کے بٹوارے کے بعد سرحد کے دونوں اطراف تقسیم ہو جانے والے خاندانوں کا المیہ بھی پیش کیا ہے۔ اسی افسانوی مجموعے میں شامل دوسری کہانی "نروان" ہے۔ یہ ایک ایسی کمال کی کہانی ہے جس کا نوجوان بیٹا رشید کار حادثے میں جان گنوا بیٹھتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ماں جی اس دنیا سے بے زار ہو جاتی ہیں۔ اس

CC BY

طرح "رات کی اونچی فصیل" بھی ایک ایسا افسانہ ہے جس میں صرف ایک کردار کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس افسانے پر ڈرامہ بھی بنایا گیا تھا۔ یہ کردار مسٹر سنجانا ہے جو کہ انسانیت کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہے۔ افسانہ "سیدھا راستہ" یہ ایک ایسے مرد ہیرو کی کہانی ہے جو برائی چھوڑ کر گناہوں کی دلدل سے نکل کر سیدھے راستے پر واپس آنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ جس بھی پیشے کی طرف توجہ دیتا ہے اسی پیشے کے افراد اپنے اپنے انداز میں ویسی ہی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں جس طرح کی زندگی سے وہ فرار ہو کر سیدھے راستے کی تلاش میں نکلا تھا۔

"راستے تو بہت ہی ملے ہیں مگر جس پر بھی چاہیں۔۔۔ اپنے ہی اڈے پر
پہنچ جاتے ہیں۔"(9)

پیرا کا یہ جملہ قاری کے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے اور زندگی کی تلخ حقیقتوں پر غور و فکر میں غرق کر دیتا ہے۔ اس کتاب کا سب سے زیادہ جاندار افسانہ "اناج کی خوشبو" ہے۔ یہ افسانہ موضوع کے لحاظ سے ایک منفرد افسانہ ہے جس میں قبرستان میں مردے دفنانے کے لیے آنے والے مختلف طبقات کے لوگوں اور قبرستان سے منسلک ہو کر روزی کمانے والے افراد مثلاً گورکن وغیرہ کی سماجی زندگی اور ذہنی صورتحال کا احاطہ کیا گیا ہے۔

یونس جاوید نے اس افسانے کے موضوع کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"رجائیت پسند افسانہ نگاروں نے ہمیشہ زندگی کی بات کی اور موت کے موضوع سے گریز کیا۔ اور ادب میں زندگی کے ہنگاموں کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ زندگی کا وہ ٹکڑا بھی تجربہ کے لائق نہ سمجھا گیا جو انسان کی موت اور قبرستان میں اس کی تدفین سے متعلق ہوتا ہے۔ یونس جاوید نے زندگی کے استحصال کو قبرستان کے حوالے سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔"(10)

یونس جاوید نے زندگی کا ہر پہلو عمیق نگاہوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے اس افسانے میں اپنی افسانوی روایت کے تسلسل میں وہ ایک نیا موضوع لے کر افسانہ لکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ دراصل قبرستانوں میں طبقاتی احساس، نودولتی ذہنیت، قبروں کی قدر اور ان کے ساتھ دلی لگاؤ کا خاتمہ، ملوں کے لیے آہستہ آہستہ قبرستان کی زمین پر تصرف، قبرستان کی نگہانی پر مامور لوگوں کی تجارتی ذہنیت، گورکنوں کے معاشی مسائل اور اپنے رزق کے لیے دوسروں کی موت کی دعا کرنا یونس جاوید نے ان تمام مسائل کو اس افسانے میں موضوع بنایا ہے۔ یونس جاوید کی زندگی کی رنگارنگی کو پیش کرتے ہوئے فنی جوہر برقرار رکھتے ہیں یہی ان کی خوبی ہے۔ ان کے کردار پلاٹ کی زمین سے پھوٹتے ہیں پلاٹ کی چستی اور کرداروں کی زندگی آپس میں اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے کو فوقیت دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

افسانوی مجموعہ "آوازیں" میں شامل افسانوں کا مختصر جائزہ:

CC BY

یونس جاوید کے افسانوی مجموعہ آوازیں میں مندرجہ ذیل مختصر کہانیاں شامل ہیں۔ "ایک بستی کی کہانی"، "کانچ کا پل"، "اعتراف"، "آوازیں"، "دستک"، "دوسری کربلا بوجھ"، "ٹینس 81"، "کرامنگ ٹو"، "کتا مکھی"، "جہنم ایک موسم"، "اڑان"، "دوسرا پہیہ"، "تجربہ" اور "دائرہ اور" "تکون"۔ اس افسانوی مجموعہ کی پہلی کہانی "ایک بستی کی کہانی" بھیسونس کی ایک ایسی نیم علامتی کہانی ہے جس میں انہوں نے اپنے کرداروں کے ذریعے ایک گاؤں کی صورتحال کو موضوع بنایا ہے۔ لیکن بظاہر تو یہ محض ایک گاؤں کی کہانی ہے لیکن گہرائی سے غور کیا جائے تو اس میں ہمارے ملک کی سیاسی و سماجی صورتحال کا نقشہ پوری سادگی لیکن انتہائی سنجیدگی سے کھینچا گیا ہے۔ یونس جاوید کبھی کسی مخصوص ادبیا ادبی گروپ کا حصہ نہیں رہے بلکہ وہ مکمل آزادی اور اور غیر جانبداری سے سماجی حقائق کو اپنی تخلیقات میں پیش کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنیزندگی میں کئی بار آمریت اور جمہوریت کی آنکھ مچولی دیکھی۔ ذہنیطور پر وہ ایک باشعور اور انسان دوست تخلیق کار ہونے کے ناطے آمریت کے خلاف ان کا نقطہ نظر بالکل واضح ہے جو کہ اس افسانہ میں بھی بڑی آسانی سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ آمریت کے بعد دوسرا عنصر جس نے ہماری سماجی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں اہم کردار ادا کیا وہ ملائیت ہے۔ اس افسانے میں ملائیت پرستی کے خلاف احتجاج کی بازگشت آسانی سے سنی جاسکتی ہے۔ ایم خالد فیاض اس افسانے پر تجزیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یونس جاوید ہمارے اسی سیاسی منظر نامے پر روشنی ڈالتے ہیں اور ہمیں دکھاتے ہیں کہ ایک فوجی آمر اپنی طاقت (بندوق) اور ایک مُلا اپنی طاقت (تقدیر کا مسخ شدہ فلسفہ) سے کس طرح کام لے کر ان لوگوں کی معصومیت، کم علمی اور بے چارگی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جو انہیں سچے دل سے اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ اور اگر کبھی انہیں اپنے نجات دہندوں پر شک گزرے اور ان کے اندر بغاوت کی چنگاری بھڑکے تو یہ آمر اور ملا اس کا رخ بھی اپنی منشا کے مطابق موڑ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"(11)

اس کہانی میں یونس جاوید نے ایک ایسے گاؤں کا نقشہ کھینچا ہے جہاں بدامنی اور قتل وغارت کا بازار گرم ہے جس کی وجہ سے امن وامان کا مسئلہ سنجیدہ صورتحال اختیار کر چکا ہے۔ ضامن شاہ جو کہ ایک فوجی ملازم ہے لیکن فوج سے اسے چھٹی مل چکی ہوتی ہے تو گاؤں میں امن وامان بہتر کرنے کے لیے ملازم رکھ لیا جاتا ہے تاکہ گاؤں کی حفاظت کو یقینی بنایا جاسکے پھر اس کے لیے ایک الگ حویلی قائم کی جاتی ہے جو کہ جلد ہی قلعے کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور پھر پورے گاؤں میں ضامن شاہ کی طاقت کا سکہ چلنے لگتا ہے لیکن امن و امان کی صورتحال بہتر ہو جاتی ہے گاؤں کے لوگ ضامن شاہ سے خوش ہو کر اس کی مالی خدمت شروع کر دیتے ہیں اس طرح تنخواہ سے کہیں زیادہ مال اور زرعی اجناس اس کی حویلی میں پہنچنا شروع ہو جاتی ہیں۔ آہستہ آہستہ اناج کا

CC BY

گودام، جانوروں کے باڑے، اصطبل سب پر ضامن شاہ کا اختیار بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر وباء پھوٹ پڑتی ہے اور گاؤں کے سارے کنوویں زہریلے ہو جاتے ہیں ایک کنواں جو بچ گیا تھا اس کا پانی بھی سوکھ جاتا ہے پھر ضامن شاہ کی حویلی میں ایک کنواں کھودا جاتا ہے اور اس کنواں کو گاؤں والوں کے لیے وقف کرنے کے بدلے وہ گاؤں کے دودھ کا مالک بن جاتا ہے اس طرح حویلی کی شان و شوکت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ضامن شاہ کو گاؤں کے مولوی صالح شاہ کی بھرپور سپورٹ حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنی تبلیغ کے ذریعے گاؤں والوں کو ضامن شاہ کا تابعدار بن کر رہنے کی تلقین کرتا رہتا ہے کہ اسی میں گاؤں والوں کی بھلائی ہے۔

گاؤں میں ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے ضامن شاہ کی حویلی میں پانی بھرنے جانے والی لڑکیاں غائب ہونا شروع ہو جاتی ہیں کیوں کہ ضامن شاہ کے جوان بیٹے اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے ان لڑکیوں کا شکار شروع کر دیتے ہیں۔ ضامن شاہ اپنے بیٹوں کا دفاع کرتا ہے اور سارا الزام لڑکیوں پر عائد کرتا ہے لیکن ہلچل اس وقت پیدا ہوتی ہے مولوی صالح محمد کی اپنی بیٹی غائب ہو جاتی ہے صالح محمد حویلی سے اپنی لٹی پٹی بیٹی کو واپس گھر لے جاتا ہے اس طرح مولوی صالح محمد اور ضامن شاہ کے درمیان ایک دشمنی کا آغاز ہوتا ہے۔ مولوی جو کہ پہلے اپنی تقریروں کے ذریعے ضامن شاہ کو تحفظ فراہم کرتا تھا اب اس کے خلاف پرزور تقریریں کرتا ہے جس کی وجہ سے ضامن شاہ کی آمریت زوال پذیر ہونا شروع ہو جاتیہے۔ ضامن شاہ اپنی ساری دولت شہر میں منتقل کرنے کے بعد خود بھی شہر بھاگ جاتا ہے لیکن اپنے خاص ملازم خادم حسین کو بندوق سونپ جاتا ہے اور حویلی کی ذمہ داری بھی سونپ دیتا ہے۔ گاؤں والے جب حویلی کو جلانے کے لیے وہاں پہنچتے ہیں تو اس بار خادم حسین ضامن شاہ جیسی تقریر کرتے ہوئے گاؤں والوں کو یقین دلاتا ہے کہ گاؤں کی بیٹیاں اس کی اپنی بیٹیاں ہیں اور حیران کن طور پر نہ صرف گاؤں والے بلکہ مولوی صالح محمد بھی اس کی اس تقریر سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ کہانی کا ایک نیا موڑ ہوتا ہے گاؤں میں ایک نئی چال چلی جاتی ہے۔ اعلان ہوتا ہے کہ گاؤں کا نیا سردار چنا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی گاؤں کا اتحاد و اتفاق جاتا رہتا ہے اور ہر شخص گاؤں کا سردار بننے کا خواب دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔

مولوی صالح محمد اپنے مقام و مرتبے کا استعمال کرتے ہوئے اور لوگوں کو خوف خدا کا احساس دلاتے ہوئے یقین دلاتا ہے کہ گاؤں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ سب مل کر مولوی صالح محمد کو اپنا سردار تسلیم کر لیں۔ اس صورتحال میں گاؤں کا چوہدری جو پہلے خاموش تھا تماشائی بنا ہوا تھا لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ سب ڈھونگ اور ڈرامہ ہے سب لوگوں کو صرف اپنے کھیتوں کی طرف دھیان دینا چاہیے لیکن کوئی شخص اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اسی افراتفری اور سوالیہ نشان کے ساتھ کہانی کا اختتام ہو جاتا ہے۔ وسیع تر ملکی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ کہانی ملک کی موجودہ سیاسی افراتفری، امن و امان کی صورتحال اور طاقت کے حصول کی جنگ میں عوام کو پہنچائی جانے والی سخت اذیتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس افسانوی مجموعے کی کہانی "اعتراف" میں ہمارے خاندانی نظام کی کمزور ہوتی جڑوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے نئی نسل پرانی روایات اور رواج کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنی مرضی کے مطابق بدلنا چاہتے ہیں۔ بیگم صاحبہ گھر کی اشیاء کیا پورا گھر ہی بدل لیتی

CC BY

ہیں اور نئے گھر میں نئی آسائشات کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواب دیکھتی ہیں لیکن ایک دن جب وہ مری میں قیام پذیر تھیں انہیں خط ملتا ہے۔ طلاق نامہ بھی ساتھ ہوتا ہے۔

اقتباس دیکھئے:

> ''میں جانتا ہوں کہ تم نے اس گھر کے بدلنے میں، جس دور اندیشی، سلیقے اور محنت کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا کام یہیں تک تھا۔ ان اشیاء کو سنبھال لینا تمہارے بس میں نہ ہو گا۔ جب اس گھر میں نئی اشیاء ہوں گی تو یوں لگا سب سے پرانی اور فرسودہ شے تمھی ہو۔''(12)

اس اقتباس کے ذریعے افسانہ نگار نے تہذیبی بحران کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ بعض اوقات انسان اپنی تہذیب کو بدلتے ہوئے خود کو بدلنا بھول جاتا ہے۔ اور یہی بھول اس کی اپنی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ اس افسانوی مجموعے میں شامل افسانہ ''دستک'' ہمارے قدیم روایات اور سماج حسن سلوک کی شاندار روایات کا نوحہ ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا جب گاؤں یا محلے کے فرد کا دکھ پورے گاؤں یا محلے کا دکھ ہوا کرتا تھا۔ زمانہ بدل چکا ہے۔ اب تو ایک گھر میں تکلیف ہو تو ساتھ والے گھر کے افراد بھی بجائے مدد اور ڈھارس بندھانے کے الٹا تنگ آجاتے ہیں۔ اسی طرح اس افسانے میں بھی دو ہمسایوں کی کہانی بیان کی گئی ہے ایک گھر میں ایک بوڑھا بیمار پروفیسر رہتا ہے جس کا کوئی بھی نہیں ہے اور اس کے پڑوس میں ایک امیر جوڑا رہتا ہے جو مالدار بھی ہے اور مغرور بھی۔

ایک رات جب پروفیسر شدید سردی سے ٹھٹھر رہا ہوتا ہے اور شدید تکلیف میں اپنے اس ہمسایے کے گھر کے دروازے پر دستک دے کر گرم کپڑوں کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ لوگ اسے بجائے گرم کپڑے فراہم کرنے کے دھمکاتے ہیں اور آئندہ دستک دینے سے منع کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ بیچارہ سردی سے کانپ کانپ کر مر جاتا ہے۔ اگلے دن جب دیگر ہمسائے اس کو اطلاع دیتے ہیں کہ وہ پروفیسر مر گیا ہے تو ان کے چہرے پر ندامت کے کوئی اثار نمایاں نہیں ہوتے بلکہ وہ خوش ہوتے ہیں اور اس کی تدفین کے لیے ضرورت سے زیادہ رقم بھی فراہم کر دیتے ہیں یعنی جس رقم سے اس کی بروقت مدد کر کے اس کی جان بچائی جاسکتی تھی اس وقت انہوں نے خرچ نہیں کی لیکن اس خوشی میں کہ اب اس سے جان چھوٹ گئی وہ دوگنا رقم خرچ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

> ''اچھا ہوا۔ مر گیا بے چارہ۔ بیوی بولی۔ روز سردی میں ٹھٹھرتا تھا۔ ہاں میں نے اطمینان کا سانس لیکر جواب دیا۔ کم از کم دستک تو نہ دے گا۔ روز دروازہ پیٹتا تھا۔ یہ بڑبڑاہٹ میری بیوی کی تھی۔''(13)

CC BY

اس اقتباس میں اس کی بیوی کی بے حسی اور اخلاقی پستی کا جائزہ بخوبی لیا جاسکتا ہے۔ ''ٹیٹنس 81'' بھی اسی اخلاقی پستی اور سماجی بے حسی کی کہانی ہے ہمارے سماج میں اب انسانی جان کی کوئی وقعت نہیں رہ گئی۔ بدلتے ہوئے پیداواری نظام کی بدولت رشتوں کی شکست وریخت اور مفاد پرستی کی عکاسی بوجھ میں کی گئی ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار راحیل ایک خوبرو نوجوان تھا جو بی اے پاس تھا اس کا نام راحیل تھا۔ پھر اچانک ایک حادثہ ہوا جس میں اس کی ایک ٹانگ ضائع ہو گئی۔ جیسے ہی وہ معذور ہوتا ہے گھر کے افراد اس سے بیزار ہو جاتے ہیں اور اسے بوجھ سمجھنے لگتے ہیں۔ کوئی ہمدردی کے دو بول بھی اس کے ساتھ نہیں بول سکتا لیکن جب وہ بھوک سے تنگ آکر بھیک مانگنے لگتا ہے اور بھیک کے مانگے ہوئے اچھے خاصے روپے گھر میں آنے لگتے ہیں سب اس سے اچھا سلوک کرنے لگتے ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا المناک پہلو ہے کہ ہم انسانی رشتوں کو مالی فائدے سے منسلک کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی ماں کی ماتا بھی واپس لوٹ آتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''ماں نے ماتھا چوم کر اس کی صحت اور کٹی ہوئی ٹانگ پر پہلی مرتبہ تبصرہ کیا۔ رضیہ اور چھوٹی بہنیں اتنی زور سے لپٹی کہ بات کہنے کی نوبت نہ آسکی۔ ماں بولی تم نے ضرور منشی گیری کر لی ہو گی۔ میں نے اکثر ڈاک گھر کے باہر منشیوں کو خط لکھتے دیکھا ہے۔ پر بیٹے تو نے ہمیں بتایا کیوں نہیں کہ تو اچھا بھلا کماؤ پوت ہے اور ہاں آتی دفعہ ریزگاری نوفوٹوں میں بدل لیا کر میرا لال۔''(14)

''جہنم ایک موسم''، ''اڑان'' اور ''دائرہ اور تکون'' میں غربت اور اس کے نتیجے میں انسانی کی داخلی صورتحال کی عکاسی کی گئی ہے۔ انسانی انا کو مجروح کیا جائے تو اس کا جو ردعمل ظاہر ہوتا ہے اس کا عکس ''جہنم ایک موسم'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ افسانہ ''اڑان'' ایک ایسی کہانی ہے جس میں انسان کی غربت کی ساری بیماریاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

یونس جاوید کے سیاسی نقطہ نظر کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے لیے یونس جاوید کے افسانے ''ایک بستی کی کہانی''، ''دوسری کربلا'' اور ''کراسنگ ٹو'' خالصتاً سیاسی نوعیت کے افسانے ہیں۔ سیاستدان اپنے مذموم مقاصد کے لیے کیسے عوام کو استعمال کرتے ہیں اور انسانی جذبات سے کھیلتے ہیں۔ یونس جاوید نے اس صورتحال کی عکاسی افسانہ ''کربلا'' میں کی ہے۔ اسی طرح ''کراسنگ ٹو'' اور ''کتا مکھی'' خالصتاً علامتی نوعیت کے حامل افسانے ہیں۔ ''کراسنگ ٹو'' موجودہ دور کی ملکی سیاسی صورتحال کی عکاسی کرتا ہے جبکہ ''کتا مکھی'' عوام کی محکومی اور مسلسل بگڑتی صورتحال سے حکمران طبقہ کی چشم پوشی کی نشاندہی کرتا ہے۔ کتا مکھی ایسے کتے کو کہتے ہیں جس میں کتا اور مکھی دونوں کی خصوصیات پائی جاتی ہوں۔ یعنی یہ جہاں بیٹھتی ہے زخم کر دیتی ہے اور آسانی سے انسان کی جان نہیں چھوڑتی۔ افسانہ نگار نے جنس کو کتا مکھی قرار دیا ہے جو یوسف جیسے آئیڈیلسٹ کردار کو اپنے راستے سے ہٹا دیتی ہے۔ لیکن بات اتنی سادہ نہیں ہے۔ سب قصر آباد تک پہنچانے کا وعدہ کرتے ہیں پورا کوئی نہیں کرتا ایک بیگم وقار کو زخمی حالت میں فٹ پاتھ

CC BY

سے اٹھا کر لے جاتی ہے۔رات کو اپنی جنسی تشنگی مٹاتی ہے لوگوں کے سامنے اسے بیٹا کہتی ہے۔اس کی دوست نادرہ اور اس جیسی کئی خواتین کی جنسی بھوک مٹاتا ہے۔لیکنیوسف اس زندگی سے اکتا جاتا ہے اور اسے قصر آباد پھر یاد آنے لگتا ہے آکر کارہ بیگم صاحبہ کی کوٹھی سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور خدا سے روشنی کی دعا مانگتا ہے۔

اس افسانہ میں یونس جاوید نے علامتیت کا جس انداز میں سہارا لیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں بھییونس جاوید کو ملکہ حاصل ہے۔افسانہ "ڈوسرا پہلا" ایک ایسے نوجوان کی کہانی ہے جو ایک حسین عورت کو دور سے دیکھ کر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کا نظارہ کرنے کے لیے بے مقصد کئی کلومیٹر پیدل چلتا ہے۔تجربہ بھی ایک ایسا ہی افسانہ ہے جس میں افسانہ نگار نے ہمارے سماج کے کھوکھلے ماڈرنزم کو نشانہ بنایا تھا۔افسانہ "کانچ کا پل" سقوط بنگال کے تناظر میں لکھا گیا ایک سماجی افسانہ ہے اس سانحہ نے عوام کی نجی زندگی پر جو زہریلے اثرات مرتب کیے وہ اس افسانے کے کرداروں کی اخلاقی اور معاشی بدحالی کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

افسانہ "آوازیں" جس پر اس افسانوی مجموعہ کا نام رکھا گیا ہے ایک ایسا افسانہ ہے جس میں مصنف نے جنگ کی بربادیاں اور تباہ کاریاں دیکھانے کی کوشش کی ہے۔

مظہر عباس نے "آوازیں" پر تجزیہ کرتے ہوئے لکھا:

> "جنگ کی تباہ کاریاں اور اس کے فوری اثرات سے زیادہ شدید اور تکلیف دہ اثرات بعد میں سامنے آتے ہیں۔یہ اثرات زیادہ تر جذبات کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔جنگ کا شکار ہو جانے والوں کی باتیں،یادیں اور ان کے لواحقین کی جذباتی کیفیات کبھی نہیں بھولتی۔اس صورت حال کی عکاسی افسانہ آوازیں میں کی گئی ہے۔"(15)

افسانوی مجموعہ "آخر جینا بھی تو ہے" کی کہانیوں کا مختصر جائزہ:

اس افسانوی مجموعہ میں یونس جاوید کے مندرجہ ذیل افسانے شامل ہیں۔

(i)	دل کا جانا ٹھہر گیا ہے	(ii)	زادراہ
(iii)	آخر جینا بھی تو ہے	(iv)	شیش محل جیسا بنگلہ
(v)	آنکھیں اور انقلاب	(vi)	ناگزیدہ
(vii)	روگ،روپ اور سوگ		

یونس جاوید کا چوتھا افسانوی مجموعہ "ربا سچیا تو رب قدیر" جو کہ ان کی کلیات میں آخر جینا بھی تو ہے کے عنوان سے شائع ہے۔اس کا پہلا افسانہ "آخر جینا بھی تو ہے" DHA میں رہنے والے دو میاں بیوی کی کہانی ہے لیکنیہ کہانی ایک ظاہری قصہ

CC BY

ہے اصل کہانی تو اس کہانیکے اندر چھپی ہوئی جو کہ ان کی ملازمہ صالحہ کی کہانی ہے جو کہ ان کے ہاں گھریلو کام کاج کرتی ہے اور 8000 روپے ماہانہ تنخواہ لیتی ہے ایک دن وہ جب دو ہزار ایڈوانس رقم لے کر جاتی ہے تو اس کا شوہر اس سے یہ رقم چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ رقم ہاتھ میں مضبوطی سے دبا لیتی ہے اسی چھینا جھپٹی میں صالحہ کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کی تین بیٹیاں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی ہیں ان کے پاس صرف ایک کچا کمرہ ہے جس کا صرف ایک بیٹا ہے۔ خاوند کو اس کی موت کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے پولیس گرفتار کر کے لے جاتی ہے اور اسی طرح اس کا جواب بیٹا اس کے کفن دفن کے لیے دونوں میاں بیوی سے گڑگڑا کر اس کی تنخواہ کا تقاضا کر رہا ہوتا ہے جب کہ ابھی اس کا مہینہ ختم ہونے میں دس دن باقی ہوتے ہیں۔ میاں بیوی جو کہ آج اس کے کام پر نہ پہنچ پانے پر شدید غصے میں ہوتے ہیں آخر اس نوجوان کو اپنی ماں کے کفن دفن کے لیے آٹھ ہزار روپے دے دیتے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی مختصر کہانی ہے جس میں سماجی زندگی کی تلخ حقیقتیں کھل کر قاری کے سامنے آتی ہیں۔ غربت، مہنگائی اور بے روزگاری نے معاشرے کی کمر توڑ دی ہے۔ غریب طبقہ اب اپنے تن کو ڈھانپنے اور پیٹ کا ایندھن پورا کرنے کی تگ و دو میں مرا جا رہا ہے جبکہ غریبوں کے گھرانوں کی نوجوان بیٹیاں ہاتھ پیلے ہونے کا خواب دیکھتے دیکھتے سر میں سفیدی دیکھ رہی ہیں۔ سفید پوش افراد کے لیے اپنی سفید پوشی قائم رکھنا نہ ممکن ہو رہا ہے۔

افسانہ ''شیش محل جیسا بنگلہ'' میں نورا عرف سید نورالدین کی کہانی ایک علامتی نوحہ ہے ہمارے اس نظام کا جس میں رزق حلال کمانے والے لوگ روزی روٹی سے تنگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارتے ہیں جبکہ بے ایمانی، سمگلنگ، کرپشن اور بلیک مارکیٹنگ سے وابستہ افراد کروڑوں اور اربوں میں کھیلتے ہیں انہیں خوب عزت بھی ملتی ہے اور شہرت بھی۔ نورا بھی اپنا مکان بیچ کر حاصل ہونے والے پیسے سے جھوٹی شان و شوکت بنا کر ایک مالدار اور خوبرو لڑکی سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جس کے بعد اس کے لیے انڈرورلڈ اور سمگلنگ سے مال بنانا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کہانی میں مصنف نے نہایت کامیاب مکالموں اور عمدہ پلاٹ سے بظاہر دنیا کے سب سے غریب خطوں میں سے ایک خطہ برصغیر پاک و ہند میں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزارنے والے ارب پتی افراد کی حقیقت قاری کے سامنے کھول کر پیش کر دی ہے۔

افسانہ ''آنکھیں اور انقلاب'' ہمارے معاشرتی انتشار، سیاسی ہنگاموں، سماجی کشمکش اور معاشرے میں امن و امان کی صورتحال کی جھلک پیش کرتا ہے۔ دراصل تیسری دنیا کے غریب ممالک میں پھیلی غربت اور بیروزگاری کوئی حادثاتی امر نہیں ہے بلکہ یہ امیر ممالک بلکہ امریکہ جیسے سامراج کی پھیلائے ہوئے جال ہیں جو ان کمزور ممالک میں استحکام اور امن قائم نہیں ہونے دیتے ان کی ایجنسیاں مسلسل غریب ممالک میں سرگرم رہتی ہیں۔ سیاسی لڑائیوں، دہشت گردی اور اقتصادی عدم توازن پیدا کر کے ان ممالک کی حکومتوں کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اس افسانے میں افسانہ نگار نے سیاسی جلوسوں کی صورتحال، قتل و غارت، بپھرے ہوئے ہجوم کی طرف سے املاک کو نقصان پہنچانے اور امیر اور طاقتور افراد کی طرف سے غریب طبقہ کے استحصال کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے وطن پاکستان کی موجودہ صورتحال کا موازنہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یونس جاوید بطور ایک سماجی ادیب

CC BY

ہونے کے کس قدر فکر میں مبتلا ہیں اور ان مسائل کی نشاندہی کر کے وہ پاکستان نے نچلے طبقے کو اس مکاری، جھوٹ فریب اور سیاسی دغابازی اور دھوکہ دہی سے باہر نکل کر اپنے مسائل کے اصل اسباب پر نظر کرنے اوران سے نکلنے کی تبلیغ کرتے ہیں۔

افسانہ "انا گزیدہ" اس افسانوی مجموعے کا سب سے منفرد افسانہ ہے یہ افسانہ اپنے موضوع کی وجہ سے بھی ہے اور نظریہ زندگی کی وجہ سے بھی اس افسانے کا مرکزی کردار "اشی" ایک روایتی مشرقی معاشرے کا خاندانی نوجوان ہے۔ جس کے دل میں خواب انگڑائیاں لیتے ہیں۔ لیکن اس کی محبت خالص مشرقی انداز لیے رہتی ہے ایک سال سے زائد عرصہ سے وہ جس لڑکی کو آئیڈیل بنا کر روز دعائیں مانگتا تھا اس سے بات چیت کر کے اپنے دل کی کسک بیان کرے لیکن وہ اپنے اندر اتنی جرات اور ہمت پیدا نہیں کر سکتا لیکن جب وہ لڑکی اس کے دل کی چوری پکڑ لیتی ہے اور ایک دن ہمت کر کے خود اس سے بات کرتی ہے تو وہ ایک انا گزیدہ بن کر راہ رسم بڑھانے کی بجائے اس سے منہ پھیر کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہر افسانہ کالج لائف میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے خوابوں اور خیالوں پر روشنی ڈالتا ہے لیکن اصل چیز جو کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سماجی قیود میں ذہنی قید کی وجہ سے اپنی نجی زندگی میں خوشیوں اور خوابوں کی تکمیل سے مرحوم رہتے ہیں۔

افسانہ نگار نے اس افسانہ کا نام بھی سوچ سمجھ کر رکھا ہے جہاں ہر فرد اپنی انا کا شکار ہونے کی وجہ سے جو بھی سوچتا ہے اس پر عمل نہیں کر پاتا۔ بیگم شاہ مبارک، نوشیروان اور فریدہ اس مختصر ترین افسانے کے بنیادی کردار ہیں۔ نوشیروان اپنی عمر سے کافی بڑی بیگم شاہ مبارک سے جنسی ہیجان دور کرنے کی عادت میں گرفتار ہو چکا تھا بیگم شاہ مبارک نے ایک اور نوجوان اظہر الدین کو دیگر میسج کرنے سے روک دیا تھا اتنے میں نوشیروان کی زندگی میں اس کیونیورسٹی کی کلاس فیلو ایک لڑکی فریدہ داخل ہوتی ہے اور اس کی جنسی تسکین کا سامان کرنے لگتی ہے۔ تب نوشیروان مبارک شاہ بیگم کے پاس آکر اسے اچانک آنٹی کہہ کر مخاطب ہوتا ہے تب بیگم شاہ مبارک کی ذہنی کیفیت کا نقشہ افسانہ نگار کے الفاظ میں کچھ یوں ہوتا ہے۔

اقتباس دیکھئے:

> "بیگم شاہ مبارک گڑی کی گڑی رہ گئی۔ وہ پتھر ہو رہی تھی۔ مگر بے چارگی سے چھاتیاں ڈھلک آئی تھیں۔۔۔ تب بھی اس نے ہمت کی اور نوشیروان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسے آنکھوں سے لگایا پھر چوما اور پھر دونوں بازو پھیلا کر نوشیروان کے گرد لپیٹا اور اس قدر زور دے بھینچا کہ بیگم شاہ کی چھاتیوں سے دھواں نکلنے لگا اور آنکھوں میں موت کی سی غنودگی اور نشہ امنڈ آیا تھا۔"(16)

CC BY

اس مختصر کہانی میں افسانہ نگار نے کمال فن سے اس دور میں محبت جیسے عظیم جذبے کے جنسی ہیجان آمیزی کا شکار ہونے کی منظر کشی کی ہے۔ڈاکٹر غفور شاہ قاسم یونس جاوید کے ان افسانوں جن میں انہوں نے مرد اور خصوصاً عورتوں کے جنسی ہیجان کا تجزیہ کیا ہے لکھتے ہیں:

> ”عورت جیسی مخلوق کو پورے طور پر سمجھنے کا دعویٰ کوئی ماہر نفسیات بھی نہیں کر سکتا یہ ایک unpredictable مخلوق ہے جو کبھی سر تا پا آتش گیر تو کبھی ہر ایک سے بغل گیر کبھی سراپا خود وسخا تو کبھی آتش زیر پا۔ کبھی شعلہ تو کبھی شبنم۔ تاہم یونس جاوید سعادت حسن منٹو کی طرح عورت کی اندرونی پرتوں تک مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ان افسانوں میں عورت کے جنسی رویوں کا مطالعہ خصوصی توجہ کا طالب ہے۔“(17)

دراصل جنسی جذبہ انسانی جبلی تقاضوں میں ایک اہم مسئلہ ہے۔ جبکہ ادب میں جنسی جبلت کا تجزیہیا جنسی رویوں کی پیش کش فنون لطیفہ کا اہم جزو ہے۔ جنسی جبلی تقاضوں، خواہشات اور رویوں کو ایک سماجی مسئلہ کے طور پر دیکھا جانا ادب میں ایک خاص معاملہ رہا ہے بعض مرتبہ کسی تخلیق کار کو جنسی موضوعات پیش کرنے پر سماجی تنقید کا نشانہ بھی بنایا جاتا رہا ہے بہر حال اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ جنس ہماری سماجی تلخ حقیقتوں میں سے ایک حقیقت ہے۔یونس جاوید نے اپنے افسانوں میں جہاں سماجی حقیقت نگاری کے کئی اور پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے وہاں منٹو اور عصمت چغتائی کی طرح بے خوف اور بے لاگ تجزیاتی انداز میں سماجی زندگی کے حقیقی مگر تلخ سماجی مسائل کو بھی پیش کیا ہے۔

CC BY

حوالہ جات

1 : غلام حسین ساجد میں ایک زندہ عورت ہوں، ہر دو باتیں۔ مشمولہ انگارے کے کتابی سلسلہ نمبر 32 اگست 2005 صفحہ نمبر 44

2:ایضا ص44

3:یونس جاوید، پس دیوار زندہ مشمولہ مکیات پل صراط کے بعد علم و عرفان پبلشرز لاہور 2022 ص241

4:سعادت سعید،ڈاکٹر پر تاثیر بیانیوں کا طلسم مشمولہ چہار سو جلد 25 شمارہ جنوری فروری 2016 ص 37

5: سجاد یاقر رضوی، اناج کی خوشبو، مشمولہ چہارسو صفحہ نمبر 23

6:ص37

7:یونس جاوید ،اس رات کا درد مشمولہ پل صراط کے بعد ص 387

8:ایضا ص 387

9:یونس جاوید سیدنا راستہ ،مشمولہ پل صراط کے بعد ص 4 48

10 : ایضاص 448

11 : ایم فیاض خالد، ایک بستی کی کہانی ، مشمولہ انگارے صفحہ نمبر 64

12 : یونس جاوید، اعتراف، مشمولہ کلیات پل صراط کے بعد ص 574

13 : یونس جاوید ،دستک، مشمولہ پل صراط کے بعد ص 588

14یونس جاوید ، ٹیٹس 81 مشمولہ پل صراط کے بعد

15 : فطہر عباس، ایک بستی کی کہانی ایک مطالعہ، مشمولہ نگارے ص73

16:یونس جاوید، انگزیدہ، مشمولہ پل صراط کے بعد ص

17:عضنور شاہ قاسم، ڈاکٹر یونس جاوید کے انسانوں کا جنسیاتی مطالعہ، مشمولہ نگارے صفحہ نمبر53

References

1. Younis Javed, Pas E Deewar E Zindan, Mashmoola: Kuliyat, P.241
2. Sadat Saeed, Dr. Pur Taseer Bayaniyoon Ka Talism, Mashmoola, Chahar Su, P.37
3. Sajjad Baqir Rizvi
4. Ibid
5. Younis Javed, Iss Rat Ka Dard, Mashmoola: Pul Sirat K Bad, Ilm o Irfan Publishers, Lahore, 2022
6. Ibid
7. Younis Javed, Seedha Rasta, Mashmoola: Pul Sirat K Bad, Ilm o Irfan Publishers, Lahore, 2022, P.448
8. Ibid
9. M. Fayyaz Khalid, Aik basti ki Kahani-Aik Mutalia, Mashmoola: Angaray, P.64

10. Younis Javed, Aitraf, Mashmoola: Kuliyat Pul Sirat K Bad, Ilm o Irfan Publishers, 2022
11. Younis Javed, Dastak, Mashmoola: Kuliyat Pul Sirat K Bad, Ilm o Irfan Publishers, 2022
12. Younis Javed, Tennis 81, Mashmoola: Kuliyat Pul Sirat K Bad, Ilm o Irfan Publishers, 2022
13. Mazhar Abbas, Aik Basti ki Kahani-Aik Mutalia, Mashmoola: Angaray, P.73
14. Younis Javed, Ana Gazeeda, Mashmoola: Kuliyat Pul Sirat K Bad, Ilm o Irfan Publishers, 2022
15. Ghafoor Shah Qasim, Dr, Younis Javed K Afsanon Ka Jinsiyati Mutalia, Mashmoola: Angaray, P.56
16. Younis Javed, Aik Chehcra Yeh Bhi Hai, Jamhoori Publications, Lahore, 2017, P.39
17. Younis Javed, Aik Chehcra Yeh Bhi Hai, Jamhoori Publications, Lahore, 2017, P.136